حکمت دین: چند اہم پہلو

محمد وقاص ○

عالم کے پروردگار نے انسانیت پر بیش بہا احسانات کیے۔ ان میں سے چند کا تذکرہ خصوصیت سے کیا۔ حکمت بھی انھی نعمتوں میں ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ ارشاد باری ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ (البقرہ ۲:۲۶۹) ''(اللہ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت ملی اسے درحقیقت بڑی دولت مل گئی''۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نیک بندے لقمان کا ذکر کیا کہ انھیں حکمت عطا کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے سلطنت اور حکمت سے نوازا۔ حکمت کی یہی دولت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی۔ قرآن کا بیان ہے کہ اس نعمت سے جملہ انبیا و مرسلین سرفراز ہوئے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اس نعمت کا حظ وافر عطا کیا گیا بلکہ یہ بات آپؐ کے فرائض نبوت میں شامل کر دی گئی کہ اُمت کو بھی اسی کی تعلیم دیں: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ ۲:۱۵۱) ''اور یہ رسول تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔ اس کے بعد اہل ایمان کو براہ راست مخاطب کر کے فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ (النحل ۱۶:۱۲۵) ''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو''۔

نبی کریمؐ نے فرمایا ہے: ''حکمت کی بات مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ جہاں سے ملے وہ اُس کا زیادہ حق دار ہے'' (ترمذی)۔ دانائی کا اعلیٰ ترین مقام اللہ کا خوف ہے۔

امام مالکؒ نے اپنی مؤطا میں حضرت لقمانؑ کا یہ قول نقل کیا ہے: بے شک اللہ حکمت کے نور سے دلوں کو زندگی بخشتا ہے جیسے کہ وہ آسمان کی بارش سے مردہ زمین کو زندگی عطا کرتا ہے۔

○ ڈائرکٹر، اسلامی نظامت تعلیم، راولپنڈی ڈویژن

حکمت سے مراد: مفسرین قرآن کے نزدیک حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ ہے (علامہ ابن کثیر)۔ مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے حکمت اس قوت اور صلاحیت کو کہا ہے جس سے انسان معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرتا ہے۔ اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اسی کے ثمرات میں سے ہے۔ اہل عرب حکمت کا لفظ اس قوت اور صلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت کی جامع ہو، چنانچہ دانش مند آدمی کو حکیم کہا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک حکمت کا لفظ وسیع ہے، جس میں وہ تمام دانائی کی باتیں آجاتی ہیں جو نبیؐ لوگوں کو سکھاتے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے مطابق حکمت سرتاسر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط ہے۔ ان کے نزدیک جو لوگ حکمت سے مراد حدیث لیتے ہیں ان کی بات میں بڑا وزن ہے۔ علامہ شاطبیؒ کے نزدیک کتاب سے مراد شریعت ہے اور حکمت سے مراد وہ فلسفہ ہے جو شریعت کے فوائد و ثمرات کو واضح کرتا ہے۔

سید قطبؒ کے مطابق حکمت تعلیم کتاب کا نتیجہ اور ایسا ملکہ ہے جو تمام معاملات کو ان کی جگہ رکھنے اور تمام امور کو ان کی اصل قیمت اور وزن دینے کی صلاحیت عطا کرتا ہے اور یہ فہم عطا کرتا ہے کہ ان احکامات و ہدایات کا اصل منشا کیا ہے۔

چنانچہ حکمت کے معنی دین کی سمجھ بوجھ، تفقہ فی الدین کے بھی ہیں اور معاملات میں فہم و فراست اور قوت فیصلہ کے بھی ہیں، ہر قدر کو پرکھنے کی صلاحیت کے بھی ہیں اور چیزوں کا اصل وزن اور قیمت معلوم کرنے کے لیے درکار بصیرت کے بھی، نیز اخلاق و کردار میں پختگی، طور اطوار میں شرافت اور تہذیب میں شائستگی بھی حکمت ہے۔ ان سب معاملات میں ساری انسانیت کے لیے نبیؐ کا اسوہ حسنہ بہترین نمونہ حکمت ہے اور سب سے بڑھ کر دانائی اللہ کا خوف اور اس کے سامنے جواب دہی کا احساس ہے۔ گویا حکمت کتاب اللہ سے الگ اپنا مستقل مقام رکھتی ہے اور حکمت کے نتیجے میں ہی انسان کے دل میں شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ حکمت کی معراج اللہ کا خوف ہے، نیز حکمت ہی کے ذریعے انسان شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حکمت کی ضرورت: دین کا تعلق انسان کی ساری زندگی سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دین ہر دور، ہر علاقے میں رہنے بسنے والوں کے لیے ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے اس کا نظام ایسا بنایا کہ ہر دور، ہر علاقے اور ہر قسم کے انسانوں کی سوچ، فکر اور عمل کے دائروں سے ہم آہنگ ہو سکے۔ نیز انسان خواہ اونٹ پر سفر کرنے والا ہو یا جیٹ جہاز میں، کسی بھی دور اور کسی بھی جگہ کا انسان اس دین پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو پیچھے جاتا ہوا یا وقت کے دھارے سے کٹتا ہوا محسوس نہ کرے، بلکہ ہر

پیش آمدہ چیلنج کا مقابلہ کر سکے اور ہر جدت یا ایجاد کو (اگر وہ دین کے مجموعی نظام سے ہم آہنگ ہو) خوش آمدید کہہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے صرف ان امور کی تفصیلات بیان کیں جو زمان و مکاں کی قید سے آزاد تھیں، جب کہ دیگر معاملات میں صرف اشارات دیے اور رہنما اصول قائم کیے، مثلاً وراثت کے احکامات تو نہایت وضاحت سے دیے، حلال و حرام کا تعین نہایت صراحت سے کیا (کیونکہ یہ امور ہر جگہ اور ہر دور کے لیے ناقابلِ تغیر تھے) لیکن سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت اور دیگر شعبہ ہاے زندگی کے لیے صرف رہنما اصول دیے جن کی روشنی میں تفصیلات مرتب کی جاسکتی ہیں۔

اسی روش کی تعلیم آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو دی۔ جب ان کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو پوچھا کہ معاملات کیسے حل کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا: قرآن کی روشنی میں۔ فرمایا: اگر وہاں نہ پاؤ، تو۔ وہ بولے: رسولؐ اللہ کی سنت میں دیکھوں گا۔ فرمایا: اگر وہاں بھی نہ ملے، تو۔ بولے: اپنی رائے سے معاملہ حل کروں گا اور اس کوشش میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر آپؐ نے انھیں شاباش دی اور اس طریقۂ کار کو اُمت کے لیے پسند فرمایا۔ چنانچہ دین کے معاملات میں حکمت کی دوہری ضرورت ہے، یعنی جو احکامات واضح ہیں ان کو ٹھیک سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے بھی اور جو واضح نہیں ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرنے کے لیے بھی۔

اگر غور کیا جائے تو دین کے نظام میں چند بنیادی حکمتیں کارفرما ہیں۔ ان کو سمجھے بغیر دین سمجھنا مشکل ہے۔

دین آسان ھے

سب سے پہلی چیز جو دین کے مطالعے سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ دین آسان ہے۔ انسانوں کے بس میں ہے۔ اس کا کوئی مطالبہ ایسا نہیں جو انسانوں کے بس سے باہر ہو۔ چنانچہ فرمایا: وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ (الاعلیٰ ۸۷:۸) ''اور ہم تمھیں آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں''۔ اس کو نبیؐ نے اپنی تاکید سے مزید واضح فرمایا: یسروا ولا تعسروا ''دین میں آسانی پہنچاؤ، تنگی پیدا نہ کرو''۔ اسی چیز کو آپؐ نے مستقل سنت کے طور اپنایا۔ ہمیشہ دو راستوں میں سے آسان راستے کا انتخاب کیا۔ دو کام پیش نظر ہوتے تو پہلے آسان کام سرانجام دیتے۔ نماز اور کھانا ایک وقت میں آجاتے تو پہلے کھانا کھا لیتے۔ گویا رہبانیت کا یہ تصور کہ زیادہ تکلیف اور مشقت میں زیادہ ثواب ہے، اسلام کا تصور نہیں۔

فتح مکہ کے سفر میں چونکہ رمضان تھا، صحابہؓ کی سہولت کے پیش نظر آپؐ نے سرعام روزہ افطار کیا۔ آپؐ کی دیکھا دیکھی صحابہؓ نے بھی افطار کر لیا۔ لیکن کچھ لوگ روزے سے رہے۔ جب پڑاؤ پر پہنچے تو جو افطار

کر چکے تھے انھوں نے سارا کام جلدی سے کیا، جب کہ روزہ دار نڈھال تھے۔ آپؐ نے فرمایا: آج سارا ثواب ان افطار کرنے والوں نے لوٹ لیا، یعنی روزے دار اس اجر سے محروم رہ گئے۔ گویا ثواب اور اجر کا تعلق ظاہری عمل کے بجائے انسان کی نیت اور اتباع سنت سے ہے۔ چنانچہ وہ کام جو اتباعِ سنت میں کیا جائے، اپنی نوعیت کے لحاظ سے آسان اور دل چسپ ہی کیوں نہ ہو، بہت بڑے اجر کا باعث ہے۔

یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ دین کے بعض مطالبات مشکل کیوں نظر آتے ہیں، جب کہ دین کو آسان کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ جہالت، لاعلمی اور فکرِ آخرت سے غفلت ہے۔ جیسے ہی انسان جہالت سے نکل کر علم کی روشنی میں آتا ہے، اسے حکمت کی دولت ملتی ہے تو وہ سنور جاتا ہے۔ چنانچہ دین کے وہ مطالبات جو اس سے پہلے اس کے لیے وبالِ جان تھے اب اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور سکونِ قلب کا سامان بن جاتے ہیں۔ اسی چیز کو قرآن نے یوں بیان کیا: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۴۵-۴۶) ''صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ بے شک یہ سخت مشکل کام ہیں، مگر ان فرماں برداروں کے لیے مشکل نہیں جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے''۔

احکام میں تنوع اور لچک

دوسری چیز جو کتاب و سنت کے مطالعے سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دین انسانی فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ انسانی فطرت لچک اور تنوع کی خواہاں ہے۔ چنانچہ دین کے تمام احکامات میں انسان کی اس فطری خواہش بلکہ ضرورت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ نمازوں کے اوقات متعین کرتے وقت اول و آخر وقت کی نشان دہی کر دی گئی تاکہ انسان ان کے درمیان کسی وقت پڑھ لے۔ کسی گناہ کا کفارہ بتایا تو متعدد یا کم از کم دو متبادل بتائے، مثلاً رمضان کا روزہ قصداً توڑ دیا تو دو ماہ مسلسل روزے رکھو اور اگر یہ نہ کر سکو تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ نماز کے لیے وضو کرو، لیکن اگر عذر اور مجبوری ہو تو تیمم کر لو۔ حرام چیزوں کو صراحت کے ساتھ واضح کیا لیکن اضطرار کا دروازہ کھلا رکھا۔ اسی طرح فرائض کا بار کم سے کم رکھا اور سنن و نوافل میں زیادہ کم پڑھنے کی آزادی دی۔ اعمال سرانجام دیتے ہوئے اگر ممکن ہوا تو ایک سے زائد انداز اختیار کیے، مثلاً نماز میں ہاتھ سینے پر باندھے، ناف پر بھی اور کھلے بھی چھوڑے تاکہ جسے جو ادا پسند آئے، اپنا لے۔ حج کے موقع پر جب لاکھ سے اوپر لوگ موجود تھے، بعض افراد نے سر منڈوائے، قربانی کرنے اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی ترتیب کے بارے میں پوچھا کیونکہ لوگوں نے یہ کام ہجوم کی وجہ سے مختلف ترتیب سے کیے تھے۔ آپؐ نے سب کو ایک ہی جواب دیا: لا باس، یعنی کوئی حرج نہیں۔ گویا اس بھیڑ میں اہمیت ترتیب کی نہیں عمل کی ہے۔

دین میں ترجیحات

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرائی گئی کہ دین کے مآخذ صرف دو ہیں، اللہ کی کتاب اور رسولؐ اللہ کی سنت۔ جو چیز ان سے ثابت ہے وہی دین ہے، اور جو عمل جس درجے میں رکھا گیا اس کی اہمیت وہی ہے۔ جو مقام فرض کا ہے وہ سنن کا نہیں، جو درجہ جہاد کا ہے ذکر و تسبیحات کا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اہم امور میں اطاعت کا حکم دیا گیا لیکن باقی معاملات میں اتباع کا تصور دیا، یعنی جو آپؐ کی محبت میں جس قدر بڑھ جائے، اور آپؐ کی عادات و اطوار جس قدر اپنا لے یہ اس کا اپنا ظرف، اپنا شوق اور اپنی محنت ہے۔ اس کے بارے میں کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

نیکی اور بدی کا جامع تصور

یہ تصور بھی ذہن نشین کرایا گیا کہ نیکی صرف چند خاص اعمال سرانجام دینے کا نام نہیں بلکہ اس کا میدان وسیع ہے۔ چنانچہ زندگی کا ہر کام اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق کیا جائے تو وہ نیکی ہے، چاہے وہ اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی ہو، والدین اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال ہو، یا کوئی اور چھوٹے سے چھوٹا عمل، بلکہ فرمایا: لا تحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقی اخاك بوجه طلیق (مسلم) ''نیکی کے کسی (چھوٹے) کام کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ چاہے یہ اپنے بھائی سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملاقات ہی کیوں نہ ہو''۔ اسی طرح کسی کے ساتھ زیادتی، جھوٹ، بہتان، غیبت یا وہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس سے کسی بے گناہ انسان حتیٰ کہ جانور کو بھی ضرر پہنچے، گناہ ہے۔ فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

حلال و حرام کے معاملات

حلال و حرام کا مسئلہ چونکہ بہت اہم اور حساس ہے لہٰذا اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ اس باب میں یہ اصول بتایا گیا کہ تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں، اور نجس چیزیں حرام ہیں۔ سابقہ شریعتوں میں بھی یہ چیزیں وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی تھیں لیکن ان اُمتوں نے ان معاملات میں خود اپنی خواہشات کا اتباع شروع کر دیا اور افراط و تفریط کا شکار ہو گئے۔ یا تو اتنے جری ہوئے کہ حرام چیزوں کو حلال ٹھیرانے لگے اور یا اتنے متشدد کہ حلال چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے ان معاملات کو ایک بار پھر واضح فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف

۷:۱۵۷)''(پس آج یہ رحمت اُن لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی اُمی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے''۔

حلت وحرمت کے ان قوانین کا آخری مجموعہ سورہ مائدہ میں نازل کیا گیا جو کہ مدنی دور کے آخر میں نازل ہوئی، ساتھ ہی دین کی تکمیل کا مژدہ جانفزا بھی سنا دیا گیا۔ گویا حلال وحرام کا یہ قانون قطعی اور اٹل ہے۔ اس میں اب ترمیم نہیں کی جائے گی۔ اس کے ساتھ اس بات سے بھی شدت سے منع کیا گیا کہ اس قانون کو چھیڑا جائے یا اس میں ردوبدل کی کوشش کی جائے، یہاں تک کہ آپؐ کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ج (التحریم ۶۶:۱)''اے نبیؐ، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہے''۔

جو چیز منع نہیں وہ مباح ہے

یہ تعلیم دی گئی کہ جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے وہ کسی بھول چوک کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تم پر نظرکرم کرنا چاہتا ہے۔ وہ علیم وحکیم ہے، سمیع وبصیر ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی امر اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔ لہٰذا ایسی چیزوں کے پیچھے نہ پڑو اور بہت زیادہ سوال کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اگر کسی چیز کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے تو یہ اس کی جانب سے تمھارے لیے رحمت ہے، اس کا فائدہ اٹھاؤ۔

اصلاح و تربیت کے چند پہلو

سیرت النبیؐ کا مطالعہ کیا جائے تو آپؐ کی سیرت حکمت کے مظاہر سے بھرپور نظر آتی ہے۔ آپؐ نے انسانوں کو جس طرح جمع کیا، منظم کیا، ان کی تربیت فرمائی، انھیں اپنے وقت کا قائد اور امام بنا دیا۔ اس سارے کارنامے کا راز اگر معلوم کرنا ہے تو قرآن نے اسے پہلے ہی افشا کر دیا ہے۔ فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ ج وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ص (آل عمران ۳:۱۵۹) ''یہ تو سراسر اللہ کی رحمت ہے کہ آپؐ ان کے لیے نرم خو ہیں، اگر آپؐ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے گرد سے چھٹ جاتے''۔ نیز فرمایا: لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (التوبہ ۹:۱۲۸)''تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمھارا نقصان میں پڑنا اسے ناگوار ہے، تمھاری فلاح کا وہ حریص ہے اور

ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور مہربان ہے"۔

خرم مراد مرحوم نے اصلاح معاشرہ میں حکمت رسولؐ کے عنوان سے سیرت النبیؐ سے ایسے واقعات جمع کیے ہیں۔ ایک بدو آیا اور مسجد نبویؐ کے صحن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ اس کی طرف لپکے لیکن آپؐ نے انھیں منع کر دیا۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو اسے پاس بلا کر بٹھایا اور مسجد کے آداب کی تعلیم دی۔ پھر صحابہؓ کو حکم دیا کہ گندگی کو پانی بہا کر صاف کر دیں۔ ساتھ ہی فرمایا: تم خوشی اور بشارت دینے والے ہو، تنگی اور مشکل پیدا کرنے والے نہیں۔

اسوہ حسنہ کی اس مثال کو سامنے رکھ کر آج کی مساجد میں جاری اصلاحی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے، کوئی پتلون پہن کر نماز کے لیے آ جائے، یا ننگے سر ہو، یا معصوم بچہ اگلی صف میں چلا جائے، اس کا جو حشر کیا جاتا ہے وہ ہماری اجتماعی سوچ اور ذہنی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

تالیف قلب کا تصور

انسانوں کی اصلاح کرتے وقت آپؐ نے ان کے دلوں کو نرم کرنے اور نفوس کو رام کرنے کے لیے تالیف قلب کا قرآنی تصور مدنظر رکھا اور افراد کی دلجوئی کا حتی المقدور اہتمام کیا۔ سید قطب شہیدؒ نے اپنی تفسیر میں سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر لکھتے ہوئے سیرت کا دل چسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

ایک بدو آپؐ کے پاس آیا اور کچھ مانگا۔ آپؐ نے اسے کچھ دے دیا اور پوچھا: کیا میں نے تم سے اچھا سلوک کیا؟ بدو نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے مجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ مسلمانوں کو اس پر غصہ آ گیا اور وہ (اسے مارنے کے لیے) بڑھے۔ آپؐ نے اشارے سے انھیں روک دیا۔ پھر آپؐ گھر تشریف لے گئے۔ بدو کو بلایا اور اسے کچھ اور عطا کیا جس پر وہ خوش ہو گیا اور آپؐ کے حق میں کلماتِ خیر کہے۔ آپؐ نے اسے کہا کہ یہی بات میرے ساتھیوں کے سامنے بھی کہہ دو تاکہ ان کے دلوں سے بھی رنجش نکل جائے۔

اگلے روز اس نے آپؐ کے ساتھیوں کے سامنے بھی یہی بات کہہ دی۔ تب رسولؐ اللہ نے فرمایا: میری اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کی اونٹنی اس سے بھاگ گئی۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے تو وہ اور دُور بھاگ گئی۔ پھر مالک کچھ گھاس لے کر آگے بڑھا اور آہستہ آہستہ اسے واپس لے آیا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ تب اس نے اس پر کجاوہ کسا اور سوار ہو گیا۔ تو اگر میں تمھیں چھوڑ دیتا اور تم اس شخص کو قتل کر دیتے تو یہ دوزخ میں پہنچ جاتا۔

بطور قائد، دشمنان اسلام کے ساتھ رویہ

آپؐ کی سیرت کا اگر اس پہلو سے جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ چاروں طرف سے دشمن کے

نرغے میں ہونے کے باوجود آپؐ نے ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ اس کے بعد تقریباً ایک عشرے تک مسلسل تگ و تاز میں مصروف رہے لیکن اس دوران کم سے کم قوت استعمال کر کے، کم سے کم خون بہا کر ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ اس کی نظیر لانا ممکن نہیں۔

آپؐ نے دشمن کی نقل و حرکت پر بھرپور نظر رکھی اور اس کے عزائم کا بروقت نوٹس لیا۔ ہمیشہ دشمن کی توقع سے پہلے غفلت کی حالت میں اسے جا پکڑا۔ خبر رسانی اور جاسوسی کا بہترین نظام قائم کیا اور فرمایا: الحرب خدعه، جنگ تو چالوں سے لڑی جاتی ہے۔

ٹکراؤ سے حتی الامکان اجتناب کیا، گرہیں کھولنے کی کوششیں کی۔ بند راستوں سے ٹکرانے کے بجائے انھیں وا کرنے کی سعی فرمائی۔ ہر معاملے میں متعدد راستوں کی نشان دہی فرمائی۔ خود قرآن نے اس بارے میں رہنمائی فرمائی۔ فرمایا: دشمن کے سامنے کمزوری نہ دکھاؤ۔ اسے صلح کی پیش کش نہ کرو لیکن اگر دشمن صلح چاہے تو یہ پیش کش قبول کر لو۔

دشمن کے ساتھ معاہدات کا بھرپور احترام کیا لیکن اگر ان معاہدات میں کچھ کمزور پہلو رہ گئے تو ان کا فائدہ اٹھایا۔ صلح حدیبیہ میں یہ شق کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے تو اسے واپس کیا جائے گا، اس کا پورا احترام کیا گیا۔ لیکن جب خواتین مکہ سے بھاگ کر آئیں تو انھیں واپس نہ کیا اور کہا کہ معاہدے میں خواتین کا ذکر نہیں۔

دشمنان اسلام سے یکساں رویہ نہیں رکھا بلکہ وقت اور حالات کے پیش نظر اس میں نرمی و سختی آتی رہی۔ اہل کتاب اور مشرکین سے لڑنے اور انھیں قتل کرنے کے احکامات قرآن میں موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ اہل کتاب سے احسن انداز میں گفتگو کرنے اور انھیں مشترکہ بنیادوں کی طرف دعوت دینے کے احکامات بھی موجود ہیں، نیز مشرکین کے بارے میں بھی صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مواقع پر نرم رویے کی مثالیں موجود ہیں۔

یہ ہے حکمت کا وہ بھرپور خزانہ جس کی کچھ جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ آج کے دور میں اسلامی تحریک کو دین کی دعوت، جو کہ اجنبی بن چکی ہے، عام فہم، پُرکشش اور موثر انداز میں پیش کرنا ہے۔ پوری ملت کے اندر ایک نئی تڑپ پیدا کرنی ہے اور سب سے بڑھ کر دیارِ مغرب کا رخ تبدیل کرنا ہے اور ان کے سامنے اس بیش بہا خزانے کو رکھنا ہے۔ اس عظیم تر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمت دین کو سمجھنا اور ہر معاملے میں ملحوظ خاطر رکھنا از بس ضروری ہے۔